إن الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء والله واسع عليم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵
قیمت فی پرچہ ۱ر

تار کا پتہ
الفضل قادیان بٹالہ

THE ALFAZL QADIAN

اخبار الفضل قادیان

ہفتہ میں دو بار

ایڈیٹر :- غلام نبی ۔ اسسٹنٹ :- مہر محمد خان

نمبر ۳ | مورخہ ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء | مطابق ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۱ھ | جلد ۱۱

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت بفضل خدا اچھی ہے۔

ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے جو علاقہ ارتداد سے چند یوم کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ہائی سکول کے طلبا کے سامنے لیکچر دیا جسمیں علاقہ ارتداد کے حالات سنائے۔ نیز اپنے بھجنوں سے سامعین کو محظوظ کیا۔

جناب حافظ روشن علی صاحب و جناب میر قاسم علی صاحب گوجرہ جلسہ احمدیہ پر تشریف لے گئے۔

جناب چودھری نصر اللہ خان صاحب اور جناب مولوی عبد المغنی صاحب آگرہ سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔

امسال ۱۱ اصحاب مولوی فاضل کے امتحان میں شامل ہوئے جنہیں سے آٹھ پاس ہو گئے۔ مدرسہ احمدیہ سکول کے اساتذہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
خدا کے فضل اور رحم کیساتھ
ھو الناصر

تبلیغ ملکانہ کیلئے روپیہ کی ضرورت

تمام احباب کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں ایک مسلمان کہلانیوالی قوم آریہ لوگوں کا شکار ہو کر اسلام کو خیرباد کہہ رہی ہے۔ اس قوم کی اپنی حالت گو بہت گری ہوئی ہے۔ اور موجودہ حالت میں وہ اسلام کے لئے باعث طاقت ثابت نہیں ہو رہی۔ مگر سب سے اہم سوال جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر ایک مثال بھی ارتداد کی ایسی قائم ہو گئی کہ فوج در فوج لوگ اسلام سے خارج ہو جائیں۔ تو اسلام کی شوکت کو ایسا صدمہ پہنچیگا کہ اس کا ازالہ انسانی طاقت سے بالا ہو جائیگا۔ اور آج جو کام لاکھوں سے ہو سکتا ہے پھر کروڑوں روپیہ سے بھی نہ ہو سکیگا۔ جس طرح آج سے کچھ پہلے جو کام چند پیسوں کے خرچ سے ہو سکتا تھا۔ اب ہزاروں روپوں کے خرچ سے بھی نہیں ہو سکتا ۔

پس اس رَو کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خاموش وہی شخص رہ سکتا ہے۔ جس کا دل اسلام کے درد سے بالکل خالی ہو یا جو درد تو رکھتا ہو۔ لیکن اس کو قوموں کے آثار چڑھاؤ کے علم اور قلوب کے تغیرات کے اندازوں سے بالکل واقفیت نہ ہو اور یہ مصیبت پہلی مصیبت سے کچھ کم نہیں ہے۔ اِس وقت ہماری جماعت کے اسّی آدمی اِس

علاقہ میں کام کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب کام کر رہے ہیں۔ اور کوئی جماعت ہندوستان کی ایسی نہیں۔ جو آدمیوں یا انتظام کے لحاظ سے ہماری جماعت کا مقابلہ کر سکے۔ بلکہ تمام دوسری جماعتیں متفقہ طور پر بحیثیت مجموعی بھی ہماری جماعت کے کام کا مقابلہ نہیں کر سکیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ÷

لیکن احباب کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایسے وسیع پیمانے پر کام بلا خرچ کے نہیں ہو سکتا۔ اور ہزار ہا روپیہ ماہوار کے خرچ سے ہی اتنی بڑی جماعت کے کام کو منتظم رکھا جا سکتا ہے۔ ورنہ باوجود اس قدر آدمیوں کے کام کا اثر بالکل کم ہو جائے۔ اور نتیجہ بالکل مایوس کن ہو۔ پس احباب کو چاہیئے کہ اس فنڈ کو مضبوط کرنے کی طرف خاص توجہ کریں۔ اور ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کریں۔ کہ ایسے کام کے موقع کم ملا کرتے ہیں ÷

ہمارے بہت سے احباب اس دھوکے میں ہیں کہ جبکہ کام کرنیوالے وقف کنندگان ہیں جو اپنے خرچ پر کام کر رہے ہیں۔ تو پھر اس جگہ کیا خرچ ہوتا ہوگا یہ خیال ناواقفیت حال کا نتیجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ اصل کام وقف کنندگان سے لیا جاتا ہے۔ پھر بھی ایک مناسب تعداد مستقل آدمیوں کی مرکزی دفتر کے چلانے اور نگرانی کیلئے رکھنی پڑتی ہے۔ اور اسی طرح خاص مقامات کی اہمیت کے سبب وہاں مستقل طور پر آدمی رکھنے پڑتے ہیں۔ علاوہ اس خرچ کے ڈاک اور اشتہارات اور مدارس اور مساجد اور سفر خرچ عملہ نگرانی اور تقسیم لٹریچر وغیرہ کے اخراجات اس قدر کثرت سے ہیں کہ انگلستان امریکہ اور جرمنی کے مشن کے تبلیغی اخراجات سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔ اور چونکہ عام چندہ سے پہلے ہی کام بمشکل چل سکتے ہیں۔ اس خرچ کو کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اس کے لئے الگ چندہ نہ ہو۔ پس چاہیئے کہ احباب اس خیال کو دل سے نکال دیں اور جو لوگ صاحب توفیق ہیں۔ اور سو یا سو سے زیادہ چندہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس چندہ میں جلد شامل ہو کر خدا تعالیٰ سے ثواب حاصل کریں۔ اور اسلام کی عزت کے قائم کرنے میں ممد اور معاون ہو کر مجاہدین کے گروہ میں شامل ہوں کہ مجاہد وہی ہے جو ہر اس ضرورت کے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اسلام کو پیش آئے ÷

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے لوگ جو اس چندہ میں شامل ہو سکتے تھے۔ ابھی تک شامل نہیں اور بہت سے لوگ جو زیادہ دے سکتے تھے۔ سو روپیہ دیکر خاموش ہو گئے ہیں۔ میں ابھی ان لوگوں کو موقع دینے کے لئے خاموش ہوں۔ ورنہ ہزاروں دل غریب مخلصوں کے سینوں میں اس شوق سے دھڑک رہے ہیں کہ کب عام اجازت دی جائے۔ اور ہم اپنے قلیل متاع کو خدمت اسلام کے لئے نچھاور کر دیں۔ اے عزیزو! کیسے شرم کی بات ہے کہ وہ لوگ جو طاقت رکھتے ہوں۔ اس امر پر کڑھیں کہ کیوں ہم سے نہیں مانگا جاتا ہے! اور وہ جو بہت ہی محدود ذرائع رکھتے ہیں۔ اس امر پر تکلیف محسوس کریں۔ کہ ہمیں قربانی کا موقع کیوں نہیں دیا جاتا ÷

اب بھی سبقت کا موقعہ ہے۔ آپ لوگوں سے رعایت کر کے اور اس ثواب میں شریک کر کے پچھلے زنگوں کو دور کرنے کے لئے میں نے آپکے بھائیوں کو روکا ہوا ہے۔ مگر مخلصوں کے ریلے کو زیادہ دیر تک نہیں روکا جا سکتا۔ اُن کا اخلاص ہر ایک روک کو اپنے آگے سے اُٹھا کر پھینک دیتا ہے پس جلدی کرو۔ کہ یہ موقع ثواب کا ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ میں تو دیکھتا ہوں۔ کہ اب بھی بعض غربا اس روک کو توڑ کر آگے آ گئے ہیں۔ یعنی کئی ایسے لوگوں نے جو دس دس پندرہ پندرہ روپیہ کی آمد والے تھے۔ انھوں نے اپنا بعض سامان بیچ کر سو روپیہ چندہ دیا ہے۔ تاکہ پیچھے نہ رہیں

رحم اللّٰہ علیہم فانہم عباد لا یفوتہم احد فی عمل صالح +

خاکسار مرزا محمود احمد

حضرت خلیفۃ المسیح کا خوشنودی نامہ

بنام

مجاہدین علاقہ ارتداد

علاقہ ارتداد میں مجاہدانہ خدمات سرانجام دینے کے بعد واپس آنے والوں کو جو خوشنودی نامہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے عطا فرمایا۔ اسکی نقل حسب ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ÷ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی (نام مجاہد) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم کے ساتھ اپنا وقف کردہ وقت پورا کر کے آپ واپس آ رہے ہیں۔ یہ موقعہ جو خدمت کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ اسپر آپ جس قدر خوش ہوں کم ہے۔ اور جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ تھوڑا ہے۔ ایسی سخت قوم اور ایسے نامناسب حالات میں تبلیغ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور ان حالات میں جو کچھ آپ نے کیا ہے۔ وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت بڑا ہے۔ آپ لوگوں کے کام کی دشمن بھی تعریف کر رہا ہے۔ اور یہ جماعت کی ایک عظیم الشان فتح ہے اور میری خوشی اور مسرت کا موجب۔ اللہ تعالیٰ آپکے اس کام کو قبول فرمائے۔ میں آپ لوگوں کیلئے دعا کرتا رہا ہوں اور انشاء اللہ دعا کرتا رہوں گا ÷

اُمید ہے آپ لوگ اس کام کو بھی یاد رکھینگے۔ جو واپسی پر آپکے ذمہ ہے۔ اور جو ملکانہ کی تبلیغ سے کم نہیں یعنی اپنے ملنے والوں اور دوستوں میں اس کام کیلئے جوش پیدا کرتے رہنا۔ کیونکہ اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی محنت آبیاری کی کمی کے سبب سے برباد ہو جائے۔ مومن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ اور اُسے اسکے لئے خود بھی کوشش کرنی پڑتی ہے خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین۔ والسلام

خاکسار (حضرت) مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح ثانی)

قادیان دارالامان پنجاب۔ ۲۵ر جون ۱۹۲۳ء

ہمارے نئے مولوی فاضل

امسال حسب ذیل اصحاب مولوی فاضل کے امتحان میں پاس ہوئے۔ خدا تعالیٰ مبارک کرے اور خادم دین بنائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دار الامان - ۱۰ جولائی ۱۹۲۳ء

آریہ سماج اور نیوگ

اخبار "کیسری" کے خلاف رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے کے متعلق جو مقدمہ دائر ہے۔ اسمیں صفائی کی شہادت کے دوران میں نیوگ کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ جس کی نسبت بڑے بڑے ودوان آریوں نے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ لیکن وہ خیالات ایسے ہیں کہ جن کو پڑھکر معلوم ہوتا ہے۔ یا تو شہادت دینے والے نیوگ کی حقیقت سے واقف نہیں یا کوئی اور وجہ ہے۔ اور سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ نیوگ کو "نہایت ہی متبرک اصول"[1] "انسان کے فطرتی مطالبات کو پورا کرنے کے لئے بہترین حل"[2] "ایک متبرک مسئلہ"[3] "ایک بڑا ہی پوتر طریقہ"[4] "ایک اچھا طریقہ"[5] "شادی کی پوتر رسم"[6] "اتنا ہی ضروری جتنا شادی"[7] "چھوڑنے کے قابل نہیں"[8] کہنے کے باوجود قریباً سب گواہوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ موجودہ زمانہ میں اسپر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ یا نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ پنڈت بھگوت دت صاحب نے کہا:-

"بطور اصول کے سب ہندو اس کو مانتے ہیں لیکن آج کل کوئی ہندو بھی اسپر عمل نہیں کرتا۔" (کیسری ۲۸ر جون)

پنڈت رام بھجدت صاحب نے بیان کیا:-

"میرے خیال میں موجودہ سوسائٹی کا اخلاق اس لائق نہیں کہ وہ اسپر عمل کر سکے۔"

پھر کہا:-

"نیوگ آج کل کے زمانہ میں ٹھیک طور پر نہیں چل سکتا میں خود باوجود آریہ سماج کی پرتی ندھی سبھا کا پریذیڈنٹ ہونے کے بھی اپنے آپ کو نیوگ کے قابل نہیں سمجھتا۔"

لالہ دھجا رام نے کہا:-

"میں نیوگ کے مسئلہ کو سمجھتا ہوں۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو کہ نہایت ہی سدا چاری ہوں۔" (پرتاپ ۲۷ر جون)

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ آریہ صاحبان کے نزدیک موجودہ زمانہ میں کوئی آریہ مرد و عورت اس قابل نہیں کہ نیوگ کے "پوتر مسئلہ" پر عمل کر سکے گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا پنڈت دیانند صاحب جنھوں نے اس زمانہ میں آریوں کو نیوگ اور اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ جو اپنی ساری عمر میں اسکو آریوں کے ذہن نشین کرتے رہے۔ جنھوں نے اپنی تمام قابلیت اس کی خوبیاں بیان کرنے میں صرف کر دی ان کے نزدیک بھی یہ ایسا ہی مسئلہ تھا جسپر موجودہ زمانہ میں کوئی آریہ مرد و عورت عمل نہیں کر سکتا تھا۔ اگر پنڈت صاحب موصوف کے نزدیک موجودہ زمانہ کے آریوں کے اخلاق اس قابل تھے کہ نیوگ پر عمل کر سکیں۔ اور انھوں نے ان میں یہ قابلیت سمجھکر اسپر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ تو کسی اور کو قطعاً حق حاصل نہیں ہے۔ کہ اسے ناقابل عمل قرار دے۔ اور اسکی وجہ آریوں کی اخلاقی کمزوری بتلائے۔ کیونکہ پنڈت دیانند صاحب سے زیادہ آریوں کا نبض شناس۔ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ ہندوؤں کے مذہبی ریفارمر کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے۔ اور آریہ صاحبان انکو مذہبی ریفارمر ہی یقین کرتے ہیں۔ پس جو شخص انکو اپنا مذہبی راہنما سمجھتا اور موجودہ زمانہ کا "عظیم الشان رشی" قرار دیتا ہے۔ اسکے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ جس بات کا فیصلہ پنڈت صاحب نے کر دیا ہو۔ اسکے خلاف ایک لفظ بھی کہے۔

پنڈت دیانند صاحب نے ستیارتھ پرکاش میں مرد و عورت کی پیدائش کی غرض یہ بتائی ہے کہ اولاد پیدا کریں۔ اور آریہ صاحبان بھی اولاد پیدا کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت رام بھجدت صاحب نے اپنی شہادت میں بیان دیا کہ "قوم ہندو میں اولاد کا پیدا کرنا ایک مذہبی فرض ہے۔" (پرتاپ ۲۷ر جون) اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بانی آریہ سماج نے اس "مذہبی فرض" کی ادائگی کیلئے کیا ارشاد فرمایا ہے اگر اس کے لئے انھوں نے نیوگ کو بھی اتنا ہی ضروری قرار دیا ہے جتنا بیاہ کو۔ تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ زمانہ میں نیوگ ناقابل عمل ہے ورنہ بیاہ کو بھی ناقابل عمل قرار دینا چاہیئے۔

پنڈت دیانند صاحب مرد و عورت کی پیدائش کا مدعا اولاد پیدا کرنا بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"وید کے حکم کے مطابق بیاہ یا نیوگ سے اولاد پیدا کریں۔"

اور اسکے ساتھ ہی صرف ایکبار بیاہ کو ویدوں کے رو سے جائز قرار دیتے ہیں دوسری بار نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"دیدوں میں عورت اور مرد کا ایک ہی بار بیاہ ہونا۔ وید آدی شاستروں میں لکھا ہے۔ دوسری بار نہیں۔"
(ستیارتھ صفحہ ۱۳۴)

اب جبکہ ایک طرف اولاد پیدا کرنا مذہبی فرض ہے اور یہی انسان کی غرض پیدائش۔ اور دوسری طرف دوسرا بیاہ کرنا ویدوں کے خلاف۔ تو ان حالات میں جبکہ مرد یا عورت اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو یا مرد یا عورت میں سے کوئی مر جائے تو اس فرض اور غرض کو پورا کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ آیا ایسی صورت میں یہ فرض معاف ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اسی لئے اس کی ادائگی کی خاطر پنڈت دیانند صاحب نے نیوگ رکھا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک موجودہ آریوں میں یقیناً اتنی اخلاقی قوت پائی جاتی ہے کہ وہ نیوگ پر عمل کر سکیں۔ لیکن حیرت ہے کہ آریہ صاحبان نیوگ کے تو نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اور آئے دن بڑے فخر و ناز کے ساتھ مرد اور عورتوں کے دوسرے بیاہ کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے بیاہ کو پنڈت دیانند صاحب نے بہت ہی برا قرار دیا اور بزعم خود اس کے بہت سے نقص بھی گنائے ہیں۔ مگر اس کے مقابلہ میں صفحے کے صفحے نیوگ کی خوبیوں اور اس کے متعلق ہدایات میں صرف کئے ہیں ❊

---

[1] بیان پنڈت بھگوت دت [2] بیان لالہ امر ناتھ اسسٹنٹ ایڈیٹر ملاپ (کیسری ۲۸ر جون) [3] بیان پنڈت رام بھجدت [4] بیان پنڈت رام گوپال پروفیسر [5][6] بیان لالہ دھجا رام (پرتاپ ۲۷ر جون) [7][8] بیان پنڈت بھگوت دت (پرتاپ ۲۸ر جون)

ہم پوچھتے ہیں۔ اگر نیوگ آریوں کے لئے ایسا ہی ناقابل عمل مسئلہ تھا۔ تو پنڈت دیانند صاحب کو ستیارتھ پرکاش میں اس کے لکھنے اور اس پر اس قدر زور دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں انہوں نے اس کی تفصیلات بیان کیں۔ اور کیوں دوسری شادی کو ویدوں کے خلاف قرار دیکر بڑی سختی کے ساتھ اس سے روکا۔ اور اس کی بجائے نیوگ کرنے کی تلقین کی۔ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی ہیں۔ کہ پنڈت صاحب آریوں میں نیوگ پر عمل کرنے کی قابلیت سمجھتے اسے موجودہ زمانہ میں قابل عمل یقین کرتے۔ اور آریوں سے اس کی پابندی کرانا چاہتے تھے۔ اب اگر آریہ صاحبان اپنے رشی کی اس تعلیم کو جو ویدوں سے ماخوذ کی گئی ہے نہ مانیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

ایک اور بات جو نیوگ کے متعلق بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ صرف اولاد کے لئے نہ کہ جوش اور جذبہ کے لئے نیوگ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پنڈت رام بھجدت صاحب جیسے ذمہ وار آریہ سماجی نے کہا

"خاندان میں ایک عورت اپنے خاوند کے لئے اپنے خاندان کی جائداد کو قائم رکھنے کیلئے دوسرے مرد سے اولاد کی خاطر تعلق پیدا کر سکتی ہے۔ جوش اور جذبہ کے لئے نہیں۔ اسی طرح اگر کسی آدمی یا بیوہ عورت کے اولاد نہ ہو۔ تو وہ اپنی نسل کو قائم رکھنے کے لئے کسی دوسری عورت یا مرد سے نیوگ کرے"

اور پنڈت رام گوپال صاحب شاستری پروفیسر ڈی۔ اے۔ وی کالج نے بیان کیا۔

"اگر خاوند نامرد نہ ہو۔ تو عورت نیوگ نہیں کر سکتی"

لیکن ہمیں یہ کہنے پر معاف فرمایا جائے۔ کہ یہ دونوں باتیں نیوگ کے سب سے زیادہ واقف اور آریہ سماج کے بانی داتا پنڈت دیانند صاحب کے ارشاد کے بالکل خلاف ہیں۔ کیونکہ پنڈت صاحب نے "صرف جوش اور جذبہ کے لئے" بھی نیوگ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ان کا خود ساختہ سوال اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

"سوال:۔ جب ایک بیاہ ہوگا۔ ایک مرد کے لئے ایک عورت اور ایک عورت کے لئے ایک مرد رہیگا۔ اس عرصہ میں عورت حاملہ یا دائم المریض یا مرد دائم المریض ہو جائے۔ اور دونوں کا عالم شباب ہو۔ اور رہا نہ جائے تو پھر کیا کریں۔

جواب:۔ اس کا جواب نیوگ کے مضمون میں دے چکے ہیں۔ اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے۔ تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کر دے"

ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۹

"رہا نہ جائے" کا مطلب صاف ہے۔ اور اس سے ثابت ہے کہ محض جوش اور جذبہ کی خاطر بھی نیوگ کی آگیا دی گئی ہے۔

پھر خاوند کے نامرد ہونے کے سوا تو کئی ایک صورتوں میں نیوگ کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ

۱۔ اگر خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو آٹھ برس۔ ۲۔ علم کے لئے گیا ہو۔ تو چھ برس۔ ۳۔ اگر دولت وغیرہ کے لئے گیا ہو تو تین برس انتظار کرنے پر نیوگ کرنے کی عورت کو اجازت ہے۔ ۴۔ اگر مرد تکلیف دہندہ ہو۔ تو عورت کو اختیار ہے۔ کہ اسے چھوڑ کر غیر مرد سے نیوگ کرلے

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۸)

ایسی کھلی کھلی باتوں کا انکار اور ان لوگوں کی طرف سے انکار جو آریہ سماج میں ذمہ وارانہ پوزیشن رکھتے ہیں۔ ثبوت ہے اس امر کا۔ کہ اپنے رشی کی اس خاص تعلیم کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے۔ کہ اس پر عمل کر[illegible] رہا۔ اسے دنیا کے سامنے پیش ہی کر سکیں۔ لیکن دنیا جانتی ہے۔ اور اس وقت تک جانتی رہیگی۔ جب تک ستیارتھ پرکاش صفحہ ہستی پر موجود رہیگی۔ کہ بانی آریہ سماج نے بڑی کوشش اور سعی سے اور کئی سالوں کی لگاتار محنت اور مشقت سے ویدوں میں سے نیوگ کا کھوج نکالا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے کی اپنے پیروؤں کو خاص تاکید فرمائی ہے۔

دوسروں کی شدھی سے قبل

اپنے دھرم اور اپنے آپ کی شدھی کرو

ہندو اور آریہ طرح طرح کی چالبازیوں اور دھوکہ دہیوں سے کام لے کر ملکانوں کو مرتد کرنے کی جو کوشش کر رہے ہیں۔ اس کو پیش کر کے ہندو دھرم کی صداقت کی بڑی بڑی ڈھینگیں ماری جا رہی ہیں۔ اور کہا جا رہا ہے۔ کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ جبکہ ساری دنیا ہندو دھرم میں داخل ہونے کے لئے بیتاب ہو رہی ہے۔ لیکن کیا فی الواقع ہندو دھرم میں غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے اندر داخل کرنے کی ایسی طاقت پیدا ہو گئی۔ جس سے وہ ہزارہا سال سے محروم چلا آرہا ہے۔ کیا یہ مذہب اس قابل ہے۔ کہ کوئی سمجھدار انسان مذہب کی خاطر اسے قبول کر سکے۔ کیا یہ دھرم ایسا ہے۔ کہ کوئی شخص نجات کے لئے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسے اختیار کر سکے۔ اس کے متعلق ہم خود کچھ نہیں کہتے۔ ایک ہندو کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس نے گجراتی اخبار "نوجیون" میں ایک مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون کو اخبار پرجامتر ۱۸؍جون نے بھی شائع کیا ہے۔ اور اس کا ترجمہ زمیندار ۲۸؍جون میں شائع ہوا ہے۔

ایک غریب الوطن بیمار لڑکے کا دردناک واقعہ جو مضمون نگار کیساتھ گذرا۔ اسے بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے

"مسلمان کو ہندو بنانے کی نسبت اس روز میں نے غور کیا۔ اس واقعہ سے مجھے ایک نہایت عبرت آمیز سبق حاصل ہوا۔ مجھے نہایت ندامت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ غور کے بعد مجھے اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ناقابلیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

ہم لوگ مسلمانوں کو ہندو بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ ہم لوگ مسلمانوں کو ہندو بنا کر انہیں تعلیم کس بات کی دیں گے۔ یہی کہ ذات پات اور چھوت چھات کا خیال رکھیں۔ نیچ ذات والے کو ہاتھ نہ لگائیں۔ میلے کچیلے غریب کو نہ چھوئیں تاکہ

دھرم بھرشٹ نہ ہو جائے۔ گھنٹوں تک دھوپ میں تڑپتے ہوئے بچے کو نہ اٹھائیں۔ پانی کا قطرہ ڈال کر اس کے خشک حلق کو تر نہ کریں۔

میرے بھائی ان باتوں کو الزام یا اتہام سمجھنے کی غلطی نہ کریں۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ بالکل قریبی رشتہ دار کے سوا باقی کسی انسان کے حق میں ہمارے دل میں کوئی درد اور کوئی ٹیس موجود نہیں۔ اس کا ثبوت ہر سمجھدار ہندو اپنے دل میں تلاش کر سکتا ہے۔

جس قوم اور مذہب میں ہمدردی اور بنی نوع انسان کی خیر خواہی کا اس قدر کال ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس قوم کی طرف سے غیروں کو اپنے دھرم میں داخل کرنے کی اس قدر کوشش اور اصرار میں کونسا راز مضمر ہے۔ بے شک یہ سچ ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں۔ جوش اور جذبہ سے لکھ رہا ہوں۔ لیکن حقیقت بھی تو یہی ہے پیشتر اس کے کہ ہم دوسروں کی شدھی کی فکر کرنے کے درپے ہوں۔ خود اپنے دھرم کو اور اپنے آپ کو شدھی کر لیں۔ جب ہمارا مذہب ہم میں انسانیت بھی نہ پیدا کر سکے۔ تو یہ مذہب ہماری یا ہمارے مذہب میں داخل ہونے والوں کو فلاح دارین کا موجب کیونکر ہو سکتا ہے۔“

ہندو دھرم کے متعلق یہ ایک ہندو کے خیالات نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کا وہ سمجھدار اور غیر متعصب طبقہ جو اپنے مذہب اور اس کی ہدایات پر عبور رکھتا ہے۔ یہی خیالات رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں ہندوؤں یا آریوں کا یہ کہنا کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کو ہندو بنانا ان کا حق ہے۔ کہاں تک درست ہے۔ اور اس میں کس قدر صداقت ہے۔ کہ مرتد ہونے والے لوگ ہندو دھرم کی خوبیوں سے متاثر ہو کر ہندو بن رہے ہیں۔

اس وقت آریہ ملکانوں کو مرتد کرے خواہ کچھ کہیں۔ لیکن وہ وقت آئیگا۔ اور ضرور آئیگا جبکہ ہندو مذہب اقرار کرنا پڑیگا کہ ملکانوں کا مرتد ہونا اس کیلئے مفید نہیں۔ بلکہ تباہ کن ثابت ہوا ہے۔

ہندو اور سکھ

اگرچہ آریہ سماج کے بانی نے دیگر مذاہب کے ہادیوں کے ساتھ سکھوں کے بزرگوں کو بھی اپنی زبان کی چھری سے محفوظ نہیں رہنے دیا۔ اور ایسے ایسے دل آزار الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں کوئی شریف انسان سننے کیلئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا لیکن دنیاوی اغراض کے ماتحت آریہ [illegible] کوشش رہی ہے۔ کہ سکھوں کو ہندو قرار دیں۔ گو سکھ صاحبان نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ ہندو کہلائیں اور ہمیشہ ہندوؤں سے اپنی علیحدگی ظاہر کرتے رہے ہیں۔ لیکن آریہ آجتک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ کہ انہیں ہندو کہیں۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کو اپنی اس غلطی کا یقین ہو رہا ہے۔

چنانچہ سکھ اخبار لائل گزٹ نے مٹرل ضلع ملتان کے متعلق جو یہ خبر شائع کی ہے کہ

”وکل مسلمان اس کوشش میں ہیں۔ کہ کسی طرح جو ہندو سکھ بن گئے ہیں۔ تپت ہو جائیں“

اسپر پرکاش ۲۴ جون لکھتا ہے۔

”گویا ہمارے ہمعصر کے الفاظ میں جو سکھ ہندو بنتا ہے۔ وہ تپت ہو جاتا ہے مسلمان اگر ہندو بن جائے تو وہ مرتد اور اگر سکھ ہندو بن جائے تو تپت مرتد اور تپت ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ اگرچہ الفاظ مختلف زبانوں کے ہیں۔ گویا اگر لائل گزٹ سکھوں کے جذبات کا صحیح ترجمان ہے۔ تو ہندو سکھوں کی نظر میں ویسے ہی ہیں۔ جیسے کہ مسلمانوں کی نظر میں۔“

اس میں کیا شک ہے۔ البتہ تعجب اس امر کا ہے کہ یہ بات آریوں اور ہندوؤں کی سمجھ میں اس سے قبل کیوں نہ آئی لیکن خیر آخر آ تو گئی۔ اب کہنا یہ ہے کہ ”پرکاش“ کی حسب ذیل ہدایت پر ہندو اور آریہ کہاں تک عمل کرتے ہیں۔ کہ

”ہندوؤں کو اب اس علیحدگی کی شکایت کرنا لاحاصل ہے۔ انہیں اپنے بھائیوں کو سکھوں سے ویسا ہی بچانا چاہیئے۔ جیسا وہ مسلمانوں سے بچاتے ہیں۔“

کہ اگر یہ صحیح ہے۔ کہ وہ ان سکھوں پر ہندو بننے کیلئے کسی قسم کا دباؤ ڈال رہے ہیں۔ جو ہندو مذہب کو چھوڑ کر سکھ بن گئے۔

تو یہ سخت نامناسب بات ہے۔ سکھ صاحبان ہندوؤں کی نسبت رشد اور ہدایت کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ان میں بت پرستی اور دیوی دیوتا کی پوجا کا نام تک نہیں ہیں مسلمانوں کو نہ صرف ہندوؤں کے سکھ بننے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنی چاہیئے۔ بلکہ ہر ممکن اور مناسب مدد دینی [illegible] خدا کی وحدانیت کے تو قائل ہیں۔

شدھی کے خلاف پنڈتوں کا فیصلہ

مدراس کے روزانہ اخبار قومی رپورٹ (۲۳ جون) میں پنڈتوں کے ایک جلسہ کی روئداد شائع ہوئی ہے۔ جو سناتن دھرم اجینی سبھا کے زیر اہتمام ۲ جون کو ترکی میں منعقد ہوا۔ اس میں پالگھاٹ کے تقریباً پچاس پنڈت شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ ضلع کے اور بہت سے مشہور اصحاب بھی شریک ہوئے جن کی تعداد تین سو تھی۔ کانفرنس کی صدارت برہماری یتو کوڈار اماشاستری کی مسئلہ زیر بحث یہ تھا۔ کہ ہندو مذہب میں ایسے شخص کو جو علیحدہ ہو چکا ہو۔ ملا لینے کی اجازت ہے۔ یا نہیں۔ کانفرنس نے بالاتفاق یہ رائے ظاہر کی۔ کہ ایک سال کے اندر پرچیت کی رسم ادا کی جا سکتی ہے۔ پھر ملا لیا جا سکتا ہے۔ مگر اس طرح ملائے ہوئے لوگوں کی جماعت ایک علیحدہ جماعت قرار پائیگی۔

اس جماعت کے لوگوں کو ہندوؤں کی شادیوں اور دیگر رسموں میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر ایک سال سے زیادہ ہو جائے تو پھر ملا لینے کی رسم ادا کرنا محال ہے۔ حوالہ اور سند کیلئے حسب ذیل کتابوں کا نام لیا گیا۔ بودھنا دھرما سورتم۔ اپستمبھا دھرم سورتم۔ اور دیگر گرنتھ

پنڈت انند اکرشنا شاستری نے کہا۔ کہ حالات زمانہ کی مطابق شاستروں میں تبدیلی کر لینی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا جائیگا۔ تو ایک عرصہ کے بعد ہندو مذہب کے پیرو دنیا میں باقی نہیں رہینگے۔

اس کا جواب پنڈت انند کرشنا شاستری [illegible] کے دلائل پر غور کر رہے ہیں [illegible] اس کانفرنس کے فیصلہ کی حفاظت کرتا ہے۔ [illegible] کو اس سے غرض نہیں ہے۔ ان کا کام دھرم کی تعمیل کرنے کیلئے کی جاتی ہے۔ اور کسی انسان کو اس میں تبدیلی کرنے کی [illegible]

احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تقریر

[illegible] حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ [illegible] نے حسب ذیل تقریر محلہ دار الفضل میں مسلم گرلز کے بچوں کے جلسہ میں فرمائی :-

بچوں کی تربیت کا سوال

یہ سوال ایسا اہم سوال ہے کہ کسی قوم کی بہتری کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔ ہمیشہ جو قومیں تباہ ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے ہوئی ہیں۔ کہ پہلے لوگ مر گئے۔ اور پچھلے ان کے قائم مقام نہ بن سکے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کا قائم مقام ابوبکر پیدا ہو جاتا۔ اگر حضرت عمرؓ کا قائم مقام عمر پیدا ہو جاتا۔ اگر حضرت عثمانؓ کا قائم مقام عثمان پیدا ہو جاتا۔ اگر حضرت علیؓ کا قائم مقام علی پیدا ہو جاتا۔ اسی طرح طلحہؓ زبیرؓ اور دوسرے صحابہ کے قائم مقام پیدا ہوتے۔ اور پھر ان کے قائم مقام ہوتے۔ پھر ان کے۔ اور یہی سلسلہ چلتا رہتا۔ تو آج اسلام میں یہ ناخلف مولوی کیوں پیدا ہوتے۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود پر کفر کے فتوے دیئے اور آپ کے رستہ میں روکیں ڈالیں کیا شروع سے مسلمان ایسے ہی تھے۔ ہرگز نہیں۔ ان کے پیدا ہونے کی وجہ یہی ہے۔ کہ پہلوں کی نسلیں ان کی قائم مقام نہ پیدا ہوئیں۔ پس کسی قوم میں جس قدر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ آئندہ اولادیں ماں باپ کے نقش قدم پر نہیں چلتیں ٭

بعد آنیوالوں کا دنیوی علوم میں ترقی کرنا

اور یہ عجیب بات ہے کہ ہر علم کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ بعد آنیوالے پہلوں کی نسبت [illegible] سے بڑھا ہوا ہے اور آجکل کے حساب دان پہلے حساب دانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تاریخ کا حال ہے۔ اس زمانہ میں پہلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ تاریخیں مدون ہو چکی ہیں۔ جو نہ صرف اس زمانہ کے حالات کی۔ بلکہ اس زمانہ کے حالات کی بھی جس میں وہ واقعات ہوئے۔ اسوقت اس زمانہ کے حالات اس سے زیادہ اچھی طرح لکھے گئے جیسے کہ پہلے زمانہ میں لکھے گئے تھے۔ مثلاً ساتویں آٹھویں صدی کے حالات اس زمانہ کے لوگوں کو زیادہ عمدگی سے ساتھ معلوم ہیں۔ بہ نسبت اس زمانہ کے لوگوں کے۔ اسی طرح جغرافیہ کا حال ہے۔ پہلے سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہے۔ پہلے جن ملکوں کا کسی کو نام بھی معلوم نہ تھا آج ان کو سب لوگ جانتے ہیں۔ مثلاً امریکہ۔ اور ہمارے تو بچے بھی امریکہ کا نام خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ مفتی (محمد صادق) صاحب وہاں گئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے حالات پڑھتے سنتے رہتے ہیں

دین میں بعد میں آنیوالوں کا تنزل

مگر عجیب بات یہ ہے کہ جہاں انہیں بعد میں آنیوالے ترقی کرتے ہیں۔ وہاں دین کے معاملہ میں تنزل اختیار کرتے ہیں۔ حساب جانتے میں اولاد اپنے باپ دادوں سے بڑھکر ہوتی ہے۔ تاریخ میں زیادہ علم رکھتی ہے۔ جغرافیہ زیادہ جانتی ہے اسی طرح لوہار۔ ترکھان سنار جو پہلے مر گئے۔ اب ان سے بہتر کام کرنیوالے موجود ہیں۔ مگر دینی معاملات میں یہ مثال نہیں ملتی۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ حالانکہ دین دنیا کے ہر ایک کام اور ہر ایک پیشہ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اور چاہیئے تھا کہ اسمیں زیادہ ترقی کرنیوالے ہوتے۔

اسکی وجہ ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ جبکہ تاریخدان تاریخدانی میں فائدہ دیکھتا ہے۔ تو کوشش کرتا ہے کہ اس کے متعلق اپنا جانشین چھوڑ جائے تاکہ یہ علم مٹ نہ جائے۔ اسی طرح حساب دان جب حساب دانی میں فائدہ دیکھتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اپنا قائمقام رساں پاتا ہے تو اپنے بعد اسے جاری رکھنے کیلئے اپنا قائمقام بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن دین کے معاملہ میں لوگوں میں بہت کم خواہش ہوتی ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے پیچھے چھوڑ جائیں۔ گو کسی قدر یہ خواہش ان لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ جو کہ دین کے پابند نہیں ہوتے بلکہ اسکو سمجھتے ہیں ٭

صرف خواہش کافی نہیں

مگر خرابی یہ ہے کہ کسی امر کی صرف خواہش ہی کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنے میں مدد دینے والے بھی ہوں۔ مثلاً ایک حساب دان کی یہ خواہش ہی کافی نہیں کہ اسکے پیچھے کوئی حساب دان رہے۔ اور یہ خواہش اسوقت تک پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک ایسے ماں باپ نہ ہوں۔ جو اپنے بچوں کو اس کے سپرد کریں یہی حال اور باتوں کا ہے۔ مگر دین کے معاملہ میں ایسا نہیں کرتے۔

دین بچپن میں سکھانا چاہیئے

اسی طرح ایک اور خرابی یہ ہے کہ اور تو ساری باتیں بچپن میں سکھلانے کی خواہش کی جاتی ہے۔ مگر دین کے متعلق کہتے ہیں کہ بچہ بڑا ہو کر سیکھ لیگا۔ ابھی کیا ضرورت پڑی ہے۔ بچہ نے ابھی ہوش نہیں سنبھالی ہوتی۔ اور دادا اگر منع کرتا ہے کہ ابھی اسے پڑھنے نہ بھیجو۔ مگر ماں باپ اسے سکول بھیجدیتے ہیں۔ اور گو وہ کہتے ہیں۔ کہ چونکہ آوارہ پھرتا ہے۔ اسلیئے سکول میں بیٹھا رہیگا۔ مگر انکی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ سال جو اس کے ہوش میں آنے کے ہیں۔ انہیں بھی کچھ نہ کچھ پڑھ ہی لے۔ مگر نماز کے لئے جب وہ بلوغت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ تب بھی یہی کہتے ہیں کہ ابھی بچہ ہے۔ بڑا ہو کر سیکھ لیگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بچے کو نماز کے لئے جگاؤ تو کہتے ہیں نہ جگاؤ نیند خراب ہو گی۔ لیکن اگر صبح امتحان لینے کے لئے انسپکٹر نے آنا ہو۔ تو ساری رات جگائے رکھینگے۔ گویا انسپکٹر کے سامنے جانے کا تو اتنا فکر ہوتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا کے حضور جانے کے لئے جگا دیں۔ تو بچہ کو بچپن میں ہی دین سکھانا چاہیئے۔ جو بچپن میں نہیں سکھاتے ان کے بچے بڑے ہو کر بھی نہیں سیکھتے۔ جس طرح بڑی عمر میں جو شخص علم سیکھنا شروع کرتا ہے۔ وہ کبھی اعلیٰ ترقی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بڑی عمر میں دین بھی نہیں سکھایا جا سکتا مگر مصیبت یہ ہے کہ دنیا کے کاموں میں جو عمر بلوغت کی سمجھی جاتی ہے۔ دین کے متعلق نہیں سمجھی جاتی۔

۱۸-۱۸ سال تک کے لڑکے کے متعلق کہتے ہیں ابھی بچہ ہے دین کی پابندی کرانے کے لئے سختی کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ چھوٹا سا بچہ جو چند سال کا ہوتا ہے اگر قلم اٹھا کر کہیں پھینک دیتا ہے۔ تو اسے دھمکایا جاتا ہے۔ اگر کسی کتاب کو پھاڑ دیتا ہے تو ڈانٹا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ اگر ابھی سے اسے نہ سمجھایا گیا۔ تو چیزیں خراب کرنے کی عادت پڑ جائیگی۔ لیکن اگر خدا کے دین کو خراب کرے تو کچھ نہیں کہا جاتا اور دین اسوقت سکھلانے کی کوشش کی جاتی ہے جب لڑکا سمجھتا ہے کہ اب تو میں اُستاد ہوں۔ اور میں دوسروں کو سکھا سکتا ہوں اور اس سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ پس جب تک ماں باپ یہ نہ سمجھینگے کہ دین سیکھنے کا زمانہ بچپن ہے۔ اور جب تک یہ نہ سمجھینگے کہ ہمارا اثر بچپن میں ہی بچوں پر پڑ سکتا ہے۔ تب تک بچے دیندار نہیں بن سکینگے ؂

بچوں کی تربیت میں عورتوں کا حصہ

اور پھر جب تک عورتیں بھی مردوں کی ہمخیال نہ بنجائینگی بچے دیندار نہیں ہو سکینگے کیونکہ مرد ہر وقت بچوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔ بچے اکثر ماؤں کے ہی پاس رہتے ہیں۔ اور دیکھا گیا ہے۔ کہ دیندار مائیں بھی بچوں کو دین سکھانے میں سستی کر جاتی ہیں نماز کا وقت ہو جائے۔ اور بچہ سو رہا ہو۔ تو کہتی ہیں ابھی اور سو لے۔ پس جب تک ماؤں کے ذہن نشین نہ کریں کہ بچوں کی دینی تربیت بچپن میں ہی کی جا سکتی ہے۔ اسوقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی ؂

پس پہلی نصیحت تو یہ ہے۔ جس کے مخاطب والدین ہیں۔ اور دراصل والد ہی ہیں۔ کیونکہ اسوقت یہاں عورتیں نہیں ہیں۔ کہ بچوں کی دینی تربیت بچپن میں ہی کرو۔ اور بچپن میں ہی ان کو دین سکھاؤ۔ تاکہ وہ حقیقی دیندار بنیں ؂

ہر کام میں استقلال کی ضرورت

اسکے بعد میں بچوں کو مخاطب کرتا ہوں۔ میں نے بتایا ہے کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک بعد میں آنیوالے ترقی یافتہ نہ ہوں اسلئے مجھے قدرتاً بچوں کی تربیت سے بہت ہمدردی ہے۔ لیکن کبھی کوئی کام عمدگی سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک اسکے کرنے کا طریق مدنظر نہ رکھا جائے۔ اور ہمارے ملک میں مشکل یہ ہے کہ اس طریق کو مدنظر نہیں رکھا جاتا جس سے کسی کام میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک جس بات کیطرف سب سے پہلے توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اور جو نہایت خطرناک طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ وہ بے استقلالی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا سب سے بڑی نیکی کا کام کونسا ہے آپنے فرمایا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا۔ اس نے پھر پوچھا۔ اور آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ اسی طرح ایک شخص نے یہی سوال کیا۔ تو آپنے اس کی حالت کے مطابق اسے جواب دیا۔ اور جب تک وہ پوچھتا رہا۔ اسی کو دوہراتے رہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی سب سے بڑی نیکیاں ہیں۔ بلکہ یہ کہ چونکہ ان میں اسی کی خلاف ورزی سب سے بڑا نقص تھا۔ اسلئے اسی کی طرف توجہ دلائی۔ ہمارے ملک میں بھی ایک نقص ہے اور اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ سب سے بڑا کامیابی کا گر کیا ہے تو میں یہی کہونگا کہ استقلال۔ پھر پوچھیگا تو یہی کہونگا۔ پھر پوچھیگا تو بھی یہی بتاؤنگا۔ اور اگر کوئی دوسرا آدمی آکر پوچھیگا تو اس کو بھی یہی جواب دُونگا۔ اور تیسرے کو بھی یہی۔ حتی کہ جتنے پوچھتے جائینگے۔ اور جتنی بار پوچھینگے یہی کہونگا۔ کہ ہر کام میں کامیابی حاصل کرنے کا گر استقلال ہے۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہر کام میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک شخص اٹھتا ہے۔ اور کوئی کام شروع کرتا ہے پھر چھوڑ کر بیٹھ رہتا ہے اس طرح جو تھوڑا بہت کیا کرایا ہوتا ہے۔ وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ پس جب تک استقلال کی عادت بچوں میں اور انکی تربیت کرنیوالوں میں نہ ڈالی جائے اسوقت تک ساری کوشش بے فائدہ ہے ؂

بے استقلالی کا اثر

دیکھو آج تو یہاں جلسہ ہو رہا ہے لیکن اگر سال کے بعد اس کام کے متعلق کچھ بھی نہ ہوا اور اسے چھوڑ دیا گیا ہو تو اس کا بچوں پر زیادہ مضر اثر پڑیگا۔ کسی کام کے شروع کرنے کا ایک اثر ہوتا ہے۔ مگر وہ عارضی ہوتا ہے۔ اور کام کو چھوڑ دینے کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ جن پر ہوتا ہے انکو کبھی اس کا پتہ نہیں لگتا۔ مگر نہایت خطرناک ہوتا ہے پھر کام جو شروع کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کا اثر بچوں پر یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ بڑے ہمیں یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ کسی کام کو لگاتار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس طرح وہ کسی کام میں کامیاب نہیں ہو سکینگے۔ لیکن اگر ان پر یہ اثر پڑے کہ جو کام شروع کیا جائے اُسے کرتے ہی جانا چاہیئے۔ تو وہ ہر کام میں استقلال اختیار کرینگے۔ اور کبھی ناکام نہ ہونگے۔

تو بے استقلالی ایک بہت بڑا نقص ہے۔ یہ تو بچوں کی انجمن ہے۔ اس نے مجھے بار بار اپنے جلسہ میں شامل ہونے کے لئے لکھا۔ اور میں آج سے قبل نہ آسکا۔ لیکن ایک بڑوں کی انجمن میں نے بنائی تھی۔ پہلے پہلے میں اسمیں خود شامل ہوتا رہا۔ تاکہ کام چلنے لگ جائے۔ لیکن جب سے میں نہیں گیا اس کے جلسے بھی بند ہو گئے ہیں۔ اس کے سکرٹری کا دوسروں کو استقلال سے کام کرنے کا وعظ کرتے کرتے تو منہ خشک ہو جاتا ہوگا۔ اور کام کرنے کی تجویزیں سوچتے سوچتے دماغ پراگندہ ہو جاتا ہوگا۔ مگر وہ کام جو شروع کیا تھا وہ نہ کر سکے۔ اور چھوڑ دیا۔ وہ تجویزیں تو بڑی بڑی گورنمنٹوں کو بتانے کے لئے تیار ہونگے۔ مگر یہ چھوٹا سا کام بھی نہ کر سکے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کوئی اکیلا آدمی کام نہیں چلا سکتا۔ لیکن اگر استقلال اختیار کیا جائے تو اگر سب میں نہیں تو کچھ آدمیوں میں ضرور استقلال پیدا ہو جائیگا۔ اور ان کے استقلال کے ساتھ کام کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ آگے اور لوگوں میں استقلال پیدا ہو جائیگا۔ یورپ کے لوگوں نے اس بات کو خوب سمجھا ہے۔ اور وہاں ایسی دکانیں اور اخباریں ہیں۔ جو تین تین سو سال سے برابر چل رہی ہیں۔ جب سے خیال آیا کہ اخبار جاری کیا جائے یا اس قسم کی دکان نکالی جائے۔ اسی وقت سے وہ چلی آ رہی ہیں۔ اسی طرح کئی مدرسے ہیں۔ جب سے ان کا خیال آیا۔ اسی وقت سے چلے آ رہے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ شروع کرنیوالوں نے استقلال سے کام چلایا۔ اس کا اثر اوروں پر پڑا۔ انھوں نے کام کرنا شروع کر دیا۔ پھر اوروں پر۔ اسی طرح کام چلتا گیا ؂

تو والدین کے بعد کارکن اور بچوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ استقلال سے کام کرو۔ ماسٹر علی محمد صاحب نے کہا ہے کہ اس کام میں بچوں اور ان کے والدین نے مجھ سے تعاون

نہیں کیا۔ اسلئے ایک دفعہ یہ کام شروع ہو کر بند ہو گیا تھا اب پھر جاری کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اگر وہ استقلال سے کام کرتے رہتے۔ تو اس کا اثر ضرور ہوتا۔ اور کام جاری رہتا۔ انہوں نے دوبارہ کام کیوں شروع کیا۔ اسی لئے کہ ان کے دل سے پہلی ناکامی کا اثر دور ہو گیا۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی مدد نہیں دیتا۔ اس لئے کام جاری نہیں رہ سکتا۔ مگر پھر شروع کر دیا۔ اسی کا نام بے استقلالی ہے۔ وہ پہلی باتوں کو بھول گئے۔ اور پھر کام شروع کر دیا۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ استقلال سے جب تک کام نہ ہوگا۔ اسوقت تک کامیابی نہ ہوگی ؎

بچوں کی تربیت کے لئے والدین کا تعاون

اسی طرح والدین میں شروع میں وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ہمارے بچوں کی نگرانی کرتا ہے۔ کیوں نہ ہم اس سے ملکر کام کریں۔ اور اسے مدد دیں۔ لیکن پھر ان کی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کوئی شخص دھوپ میں بیٹھا تھا۔ کسی نے کہا سائے میں ہو جاؤ۔ تو کہنے لگا۔ کیا دوگے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ فلاں شخص جو ہمارے بچوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو اس کو ضرور کوئی فائدہ ہی ہوتا ہوگا۔ ایک مثال ہے کہتے ہیں۔ ایک آدمی کو کسی نے بتایا کہ درزی سب چور ہوتے ہیں۔ کپڑا چرا لیتے ہیں۔ وہ ایک تھان ٹوپی سلانے کے لئے درزی کے پاس کپڑا لے گیا۔ اور جا کر پوچھا کیا اسکی ٹوپی بنجائیگی۔ درزی نے کہا۔ ہاں بنجائیگی۔ اس نے سمجھا۔ فی الواقع درزی چور ہوتے ہیں۔ اس نے کچھ کپڑا خود رکھنا ہوگا۔ تبھی کہدیا۔ کہ بن جائیگی۔ یہ سمجھکر کہنے لگا۔ کیا دو بن جائینگی۔ درزی نے کہا۔ ہاں دو بن جائینگی۔ اسپر تو اس نے سمجھا۔ درزی کے چور ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا۔ اگر یہ دو کے لئے نہ کہتا تو ایک خود رکھ لیتا۔ اور ایک مجھے دیدیتا۔ یہ خیال کر کے کہنے لگا۔ کیا چار بن جائینگی۔ درزی نے کہا ہاں۔ اسپر تو اسے یقین ہو گیا کہ ضرور یہ چوری کرتا۔ اور کہنے لگا۔ کیا چھ بن جائینگی۔ درزی نے کہا۔ ہاں چھ بن جائینگی۔ یہ سنکر اس نے سمجھا اب تو شاید اور نہ بن سکے۔ لیکن چلو پوچھ تو لیں۔ اور کہنے لگا کیا سات بن جائینگی۔ درزی نے کہا۔ ہاں سات بن جائینگی۔ اس سے زیادہ کی اسے اُمید تو نہ تھی لیکن کہنے لگا۔ کیا آٹھ بن جائینگی۔ درزی نے کہا۔ ہاں آٹھ بن جائینگی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا دوسرے دن جب وہ آیا۔ تو دیکھا کہ ذرا ذرا سی آٹھ ٹوپیاں رکھی ہیں۔ انہیں دیکھ کر درزی سے کہنے لگا۔ یہ کیا؟ درزی نے کہا اپنا کپڑا ناپ لو۔ تم نے اس کی آٹھ ٹوپیاں بنانے کو کہا تھا۔ میں نے بنا دیں

اسی طرح والدین سمجھتے ہیں۔ کہ یہ جو مدرس بچوں کی نگرانی کرتا ہے۔ تو اس کو ضرور کوئی فائدہ ہوتا ہوگا۔ ہم کیوں اسے فائدہ پہنچائیں۔ یہ سمجھ کر وہ اس کی مدد کرنا چھوڑ دیتے ہیں ؎

ماسٹر صاحب نے جو واقعہ سنایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے دونوں طرف سے بے استقلالی ہوئی۔ ماسٹر صاحب نے بھی بے استقلالی کی۔ اور والدین نے بھی۔ اور جب تک دونوں یہ نیت نہ کر لیں۔ کہ استقلال سے کام کرینگے اسوقت تک کام نہیں چل سکیگا۔ دونوں پورے استقلال سے کام کرنے کا وعدہ کریں۔ اور چاہے آندھی آئے چاہے مینہ۔ اپنی بات پر قائم رہیں۔ یورپ کے متعلق میں نے کئی بار پڑھا ہے۔ کہ کلب میں جو لوگ جاتے ہیں۔ وہ بیس بیس سال متواتر جاتے رہے۔ جب یورپ کے لوگ معمولی معمولی باتوں میں جو کھیل اور تفریح سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قدر استقلال دکھاتے ہیں۔ تو کیوں ہم ان باتوں میں استقلال نہ دکھائیں۔ جو ہماری ترقی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد میں تربیت کے متعلق بعض موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں

بچے کی آواز بلند ہونی چاہیئے۔

اول تو مجھے اس بات سے صدمہ ہوا ہے کہ جتنے بچوں نے مضمون سنائے ہیں نیچی آواز سے سنائے ہیں۔ مجھے نیچی آواز سے سخت چڑ ہے۔ اور بہت تکلیف ہوتی ہے میرے نزدیک بچہ کا یہ پیدائشی حق ہے کہ ماں باپ اس کی آواز اونچی بنائیں۔ تاکہ بچہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی آواز سنا سکے۔ جس بچہ کی آواز طوطی کی سی ہوگی۔ وہ دنیا کے نقار خانہ میں اپنی آواز نہیں سنا سکیگا۔ دیکھو کوئی نبی ایسا نہیں ہوا۔ جس کی آواز عمدہ اور اچھی نہ ہو۔ اور یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ انسان کی آواز بلند ہو مگر ان بچوں کی آواز دھیمی اور کانپتی ہوئی تھی۔ میرا تو یہاں تک خیال ہے کہ رشتہ چننے وقت ایسا رشتہ تلاش کرنا چاہیئے۔ جس کی آواز بلند ہو۔ اور اُستادوں کو چاہیئے۔ بچوں کی آوازیں بلند کرنے کے متعلق جو کتابیں ہیں۔ انہیں پڑھیں۔ اور جو طریق بتائے گئے ہیں۔ اُن کو کام میں لائیں۔ میرا چھوٹا بچہ منور احمد بہت آہستہ بولتا تھا۔ اُس کو قاری غلام یٰسین صاحب کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے بھیجا گیا۔ ایک دن گھر میں جب اس سے سبق سننے لگے۔ تو اُس نے شور ڈالدیا۔ اور بہت زور سے سنانے لگا۔ مجھے اسپر تعجب ہوا۔ اور میں نے وجہ پوچھی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قاری صاحب چونکہ اونچا سنتے ہیں۔ اسلئے ان کو زور سے سنانے کی وجہ سے اونچی آواز سے پڑھنے کی عادت ہو گئی ہے ؎

میں گھر میں بیویوں کو پڑھاتا رہا ہوں اور اونچی آواز کرنے کے لئے اس طرح کرتا تھا۔ کہ اپنے سے دُور بٹھاتا۔ تا سنانے کے لئے زور سے پڑھیں۔ اسی طرح جب میں مدرسہ احمدیہ میں پڑھاتا تھا۔ تو جو لڑکا نیچی آواز سے پڑھتا۔ اس کو پرے بٹھا دیتا۔ یا اپنی کرسی بہت پیچھے ہٹا لیتا۔ اِسپر اُسے مجبوراً زور سے پڑھنا پڑتا۔ تو اونچی آواز کرنے سے اونچی ہو جاتی ہے۔ اس کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے ؎

بچوں میں دلیری اور جرأت پیدا کرو

دوسری بات یہ ہے کہ اخلاق کے متعلق جو بات مدنظر رکھنی چاہیئے۔ اور جو اعلیٰ خلق ہے اور دوسرے اخلاق پر حاوی ہے۔ وہ دلیری اور جرأت ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ بچوں کو بہادر اور دلیر بنایا جائے۔ ماسٹر صاحب نے مثال بیان کی ہے۔ کہ ڈھاب میں نہانے سے جب بچوں کو روکا جاتا۔ تو ان کے والد مخالفت کرتے۔ اور کہتے یہ تیرنا جانتے ہیں یہ نہیں ڈوبینگے۔ مگر وہ دوسروں کو تو ڈبوتے۔ جو تیرنا نہیں جانتے۔ میرے نزدیک اگر بچے بے احتیاطی سے ڈوبتے ہیں۔ تو ان کو بچانا چاہیئے۔ لیکن اگر تیرنا سیکھتے ہوئے باوجود ممکن احتیاط کے ڈوبتے ہیں۔ تو کیا حرج ہے۔ انگریزوں میں تیرنے کے مقابلے ہوتے ہیں۔ کشتیاں دوڑنے کا مقابلہ کرتی ہیں۔ اور بعض اوقات ٹوٹتی اور ڈوبتی ہیں۔ جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں لیکن یہ نہیں کہ آئندہ کے لئے مقابلہ چھوڑ دیں۔ پھر جاتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔

ماں باپ بچہ کو بزدل بناتے ہیں

جب تک ماں باپ یہ نہ سمجھیں کہ بچہ کا دلیری اور جرأت کا کام کرتے ہوئے مرجانا اچھا ہے بہ نسبت اس کے نکما بن کر زندہ رہنے کے۔ اس وقت تک اصلی جرأت اور دلیری بچوں میں پیدا نہیں کی جا سکتی۔ مگر بڑی خرابی یہ ہے کہ ماں باپ خود بچہ کو نکما اور بزدل بناتے ہیں۔ ذرا اندھیرا ہو۔ تو کہتے ہیں۔ باہر نہ جانا ذرا کوئی مشقت کا کام کرنے لگے۔ تو روک دیتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ بچہ چھوئی موئی بنا رہے۔ اور اس طرح بچے کسی کام کے نہیں رہتے۔ ماں باپ کا تو یہ کام ہونا چاہیئے کہ جان بوجھ کر بچوں کو اندھیرے میں بھیجیں۔ اور ہر طرح جرأت اور دلیری سکھائیں۔

بچوں کو تیراک بنانا

وہ بچے جو تیرنا نہیں جانتے ان کو اکیلے پانی میں نہیں جانا چاہیئے۔ مگر تیرنے والے ان کو اپنے ساتھ لیجائیں اور تیرنا سکھائیں۔ یہ نہایت ضروری ہنر ہے۔ اسے لئے ضرور سیکھنا چاہیئے۔ اور اپنے بزرگوں کی پیروی کرنی چاہیئے۔ حضرت اسمٰعیل شہید کے متعلق لکھا ہے۔ وہ ایک جگہ گئے۔ اور سنا کہ ایک سکھ ہے جو بہت تیرتا ہے۔ اور کوئی مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ سنکر انہوں نے تیرنا شروع کر دیا۔ اور آخر اس سے بڑھ گئے۔ تو ہر کام میں مومن کو دوسروں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ وہ شریفانہ ہنر ہو۔ یہ نہیں کہ کوئی مسلمان کسی ڈاکو سے بڑھکر ہو جائے۔ یا کسی چور سے بڑھ جائے۔ بلکہ یہ کہ مثلاً کشتی لڑنا سواری کرنا۔ تیرنا۔ وغیرہ جسمانی طاقت کے کاموں میں بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

پس احمدی بچوں میں قوت اور بہادری پیدا کرنی چاہیئے۔ انگریزوں میں یہانتک احتیاط کی جاتی ہے کہ فٹ بال کھیلتے ہوئے۔ یا کسی اور کھیل میں۔ اگر کسی لڑکے کی ہڈی بھی ٹوٹ جائے۔ تو بھی کھیل بند نہیں کریں گے۔ اس کو کھیل کے میدان سے اٹھا کر علیحدہ لے جائیں گے۔ اور کھیل برابر جاری رہیگی۔ کیونکہ کھیل بند کرنے سے لڑکوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں خوف اور بزدلی پیدا ہوتی ہے اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ انگریزوں کی چھوٹی سی قوم دنیا پر حکومت کر رہی ہے۔ مگر ہمارے ہاں اگر کسی کو کھیل میں معمولی سی چوٹ آجائے۔ تو آئندہ کھیل کو بند کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو تیرنا بہت اچھا ہنر ہے۔ ہاں اس ڈھاب کا پانی اس قدر خراب ہے۔ کہ اس میں بچوں کا تیرنا ان کی صحت کے لئے مضر ہے۔ اس کا خیال رکھا جائے۔ اور ایسے دنوں میں انہیں تیرنا سکھائیں۔ جبکہ پانی صاف ہو۔ مجھے یاد ہے جب بچپن میں مجھے تیرنا نہیں آتا تھا۔ تو دوسروں کو دیکھ کر میرے دل پر بہت برا اثر پڑتا تھا۔ کہ کیوں نہیں آتا۔ اور حضرت مسیح موعود نے ہمیں تیرنے والوں کے سپرد کر دیا۔ کہ تیرنا سکھائیں۔ تو بچوں کو تیرنا ضرور سکھانا چاہیئے۔

بچوں کو کھلاڑی بنانا

اور میرا تو دل چاہتا ہے کہ اگر خدا تعالےٰ روپیہ دے تو گھوڑے رکھے جائیں۔ اور ان پر سب بچوں کو سواری سکھائی جائے۔ اور وہ پورے سوار ہوں۔ لیکن جب تک اتنا مال نہیں ملتا۔ بچوں کو دوسری کھیلوں کا کھلاڑی بنانا چاہیئے۔ کیونکہ اچھے کھلاڑی کے اخلاق بھی اچھے ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو بچے بچپن میں ان باتوں میں پڑتے ہیں۔ جو بڑوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ بڑے ہو کر بالکل نکمے ثابت ہوتے ہیں ایک شخص جواب وکالت کرتا ہے۔ اور سلسلہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں رہا۔ طالب علمی کی حالت میں بڑی لمبی لمبی نمازیں پڑھتا۔ اور نمازوں میں اتنا روتا۔ کہ چیخیں نکل جاتیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا تھا کہ مسلمانوں کا لیڈر۔ وہ کہتے میرا دل چاہتا۔ کہ اسے مسجد سے اٹھا کر نیچے پھینک دوں۔ یہ کیوں روتا ہے۔ اس نے کونسے گناہ کئے ہیں۔ اسی طرح میاں عبدالسلام حضرت خلیفہ اول کے لڑکے جب دعا ہونے لگے۔ تو رونے لگ جاتے۔ حضرت مولوی صاحب دیکھتے اور فرماتے یہ اعصابی کمزوری ہے۔ بڑا آدمی تو سمجھتا ہے۔ کہ میری عمر کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ مجھ سے کئی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ خدا معاف کر دے۔ اس لئے روتا ہے۔ بچہ اگر اس رنگ میں روتا ہے۔ کہ میری اگلی عمر اچھی اور اعلیٰ ہو۔ تو یہ جائز ہے۔ اور اگر اس لئے روتا ہے۔ کہ اس کے گناہ بخشے جائیں۔ تو وہ نقال ہے۔ اس نے گناہ ہی کب کئے ہیں کہ بخشواتا ہے۔ ہاں اگر اس کی یہ خواہش اور امنگ ہے کہ دین کا خادم ہوں۔ اور اس پر اسے رونا آتا ہے۔ تو جائز ہے۔

کھیل میں اخلاق سکھانا

پس بچوں کے لئے کھیلنا کودنا بہت ضروری ہے۔ ہاں کھیل میں اخلاق سکھانا چاہئیں۔ مثلاً یہی کہ کہا جائے اگر کوئی گالی دے۔ تو اس کو گالی نہ دی جائے۔ اور پھر گروپ کے لڑکوں کے متعلق رپورٹ منگائی جائے۔ کہ کونسے لڑکے ہیں۔ جنہوں نے گالی کا جواب گالی دیا اگر کوئی ہو۔ تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ اسی طرح یہ کہ ہر ایک غریب اور مسکین کو مدد دیں۔ اور اس قسم کے واقعات اگر سنائیں۔ کہ اسی طرح کسی لڑکے کو مدد کرنے کا موقع ملا ہے۔ مگر اس نے مدد نہیں کی۔ مثلاً کوئی چھوٹا بچہ ہے ادھر گر گیا ہے۔ لڑکا پاس کھڑا تھا۔ اسے چاہیئے تھا

کہ چھوٹے بچے کو پرے ہٹا لیتا۔ مگر اس نے نہ ہٹایا۔ تو اس کی باز پرس کی جائے۔ یا مثلاً کوئی برقعہ پوش عورت تھی۔ جس پر جانور حملہ کرنے لگا تھا۔ اور لڑکا پاس کھڑا تھا۔ مگر اسے بچانے کی کوشش کرنے کی بجائے ہنس رہا تھا۔ تو اس کو بھی تنبیہ کی جائے۔ ایسے واقعات پر سرزنش کی جائے۔ اور آئندہ کے لئے عہد لیا جائے کہ ایسا نہ کریں گے۔ اس طرح عملی طریق سے بچے اخلاق سیکھ سکتے ہیں۔ ان کی مثال طوطے کی سی ہوتی ہے۔ جو کہتا ہے۔ میاں مٹھو چوری کھانی ہے۔ مگر نہ یہ جانتا ہے کہ میاں مٹھو کیا ہے۔ اور نہ اسے یہ خبر ہوتی ہے کہ چوری کیا ہے۔

عملی طریق سے اخلاق سکھانا

بچوں کو اگر یوں کہا جاوے کہ غریبوں کی مدد کیا کرو۔ تو کہیں گے ہاں کریں گے مگر انہیں یہ نہیں معلوم ہوگا کہ کیا کرنا ہے۔ لیکن جب عملی طور پر انہیں سکھایا جائیگا۔ اور ہوشیار لڑکے امداد دینے کے وقت ساتھ ہوں گے تو دوسروں کو پتہ لگیگا کہ اس طرح مدد کرنی چاہیئے۔

سکاٹ بوائے کو اسی طرح سکھایا جاتا ہے۔ کہ پھونس کے گھر بنا کر اور ان میں ضروری اشیاء رکھکر آگ لگاتے ہیں۔ اور پھر آگ کو بجھانا اور چیزوں کو بچانا سکھایا جاتا ہے۔ تو سبقاً سبقاً بچوں کو یہ باتیں سکھانی چاہئیں۔ اور گرمیوں میں ہی سکھائی جا سکتی ہیں۔ الگ الگ ایسا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ڈوبتے کو بچانا سکھانے کیلئے بھی گر ضروری ہے۔ اور بچوں کو مشق کرانی چاہیئے۔ اسمیں دوسرے لوگ بھی اگر دلچسپی لیں۔ تو نہایت مفید ہو سکتا۔ مگر ہمارے ملک کے اخلاق ایسے ہیں کہ اگر کوئی بڑی عمر کا آدمی کھیل میں شامل ہو۔ تو حیرت اور تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ شامل ہو جاتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیئے۔ کیونکہ اس قسم کے کاموں میں بچے بھی شامل ہو جایا کریں گے۔ پھر غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنا سکھانا چاہیئے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ جیبیں بھری ہوں بلکہ یہ ہے۔ کہ مثلاً اگر کوئی عورت تکلیف میں ہے اور بوجھ اٹھائے ہے۔ اور بچے اسکے ساتھ ہیں جسے وہ اٹھا نہیں سکتی تو لڑکا اٹھالے۔ اگر کوئی گر جائے تو اسے اٹھائے۔ یہ تربیتی اور بہبودی کے کام ہیں۔

چونکہ اب وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ اس لئے باقی باتیں پھر کسی وقت بیان کر دی جائیں گی ۔

آریوں کے خلاف جلسہ میں

مولویوں کی رخنہ اندازیاں

مبلغین جماعت احمدیہ پر اختلاف پیدا کرنے کا الزام لگانے والے مولوی صاحبان کی تازہ حرکات ملاحظہ ہوں۔ جو انہوں نے ایک ایسے جلسہ میں جس میں آریوں کے خلاف لیکچر ہو رہے تھے۔ ہمارے خلاف کیں۔ یہ جلسہ موضع لوہاری میں کیا گیا تھا جس میں حاضری اللہ کے فضل سے خاصی تھی۔ جن میں راجپوت نو مسلم ہندو دکھا کر آریہ کارکن اور غیر احمدی اصحاب بھی شریک تھے۔ غیر احمدی علماء نے بھی تاریں دے دیکر لوگوں کو بلوایا۔ جس سے ان کی دونوں پارٹیوں یعنی (رضا مصطفائی اور دیوبندی) کے بیس کے قریب مولوی جمع ہو گئے۔

ایک طرف ولایت خانصاحب نمبردار معہ اپنے بہت سے مخلص مہمان نوازوں کے بڑی سرگرمی محنت اور انتظام سے کام میں مصروف تھا۔ تو دوسری طرف ایک شخص دیوبندیوں کا وظیفہ خوار اندر ہی اندر مخالفانہ کوششوں کو کامیاب بنانے کی فکر میں حق وظیفہ خوری ادا کرنے کی کوشش میں تھا۔

مقامی دوستوں نے مہمان نوازی کو انتہائی خلوص اور مومنانہ سادگی سے ادا کیا۔ لوہاری کے لوگ بھائیوں کی طرح کمربستہ تھے۔ اور محبت اور خندہ پیشانی سے مہمانوں کی خدمت بجالاتے تھے۔ یہ حصہ کام مولوی عبدالخالق صاحب اور ان کے ساتھی مبلغین کی سچی محنت اور عمدہ نمونہ کا گواہ تھا۔

جلسہ کی کارروائی ٹھیک پونے تین بجے شروع ہوئی۔ صدر جلسہ عبدالواحد خاں صاحب رئیس فرخ آباد کو تجویز کیا گیا۔ اور ان کا لوگوں سے تعارف کرایا گیا۔ جنہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے کرسی صدارت کو منظور کیا۔ مولوی ظل الرحمن نے تلاوت قرآن کریم کی۔ اس کے بعد ملک عبدالعزیز۔ مستری وزیر محمد اور اسلم صاحب نے باری باری نظمیں سنا کر جلسہ کا رنگ جمایا۔ اور لوگوں کو محظوظ کیا۔

ان کے بعد مولوی ظل الرحمن صاحب نے صداقت اسلام کے چند معیار نہایت فصاحت اور جوش سے سنائے۔ سید ارشد علی صاحب نے اسلام اور آریہ ازم کا مقابلہ کیا۔ اور مولوی جلال الدین صاحب اسلام بمقابلہ دیگر مذاہب پر بولنے کو کھڑے ہوئے۔ مولوی جلال الدین صاحب کی تقریر ماشاء اللہ اپنے پورے زوروں پر تھی۔ جلسہ کا رنگ خوب جما ہوا تھا۔ مولوی سید مبارک شاہ صاحب اور ان کے ہمراہی دیوبندی مولوی غلام احمد صاحب اخگر اور دیگر رضا مصطفائی سب شریک جلسہ تھے۔ اکا دکا پیچھے رہا ہوا ملکانہ یا ٹھاکر تیز قدم سے آتا اور خاموشی سے سر نیچے کئے ایک طرف بیٹھ جاتا تھا۔ فرش ایک بار جسقدر بچھایا گیا ختم ہو گیا۔ دوبارہ بچھایا وہ بھی پورا ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بچھایا وہ بھی لوگوں نے بیٹھکر بھر دیا۔ ایسے موقع پر مولویوں نے ایک ایک کر کے مجلس سے اٹھنا شروع کیا۔ اور بیچارے بھولے بھالے ملکانوں کو بہکانے لگے۔ اختلافی مسائل سنا کر اور یہ کہکر بہکانے لگے کہ قادیانی کافر ہیں مرتد ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ان کی باتیں نہ سنو ان کو بحث کے لئے کہو۔ ہم سے بحث کر لیں۔ یہ تو کافر ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی کافر بنا لیں گے۔ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ چاروں گاؤں ہمارے ہیں۔ ہمارا ان پر پورا قبضہ ہے۔ ان وساوس کا بعض سمجھدار لوگوں نے جواب بھی دیا۔ اور ان کو ایسا خاموش کیا کہ پھر شرمندگی سے بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ نبی حسن خاں صاحب رئیس راریٹی نے تین چار ملانوں کو خوب ڈانٹا۔ کہ یہ وقت ان اختلافی مسائل کا نہیں ہے۔ آپ لوگ اس وقت اس بحث کو نہ اٹھائیں دیکھئے اس وقت بالمقابل دشمن آریہ ہے۔ اس کا یہ لوگ رد کر رہے ہیں۔ اور جلسہ کامیابی سے ہو رہا ہے کسی اسلامی فرقہ کی خاص تعلیم کا ذکر تک نہیں۔ جب یہ لوگ (قادیانی) اختلافات کا ذکر نہیں کرتے۔ تو آپ کیوں ان باتوں کو چھیڑتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ایسے رنگ

ہیں اور ایسے جوش سے زمیندار صاحب راریٹی نے تقریر کی کہ سید سرور حسین شاہ کو سر نیچا کرلینا پڑا۔ اور ہاں میں ہاں ملانی پڑی۔ مگر پھر ایک ان کا چیلا آیا ملکانی لباس میں۔ اس نے کہا تو مولوی صاحب پھر آپ بھی کچھ سنائیں سمجھائیں۔ کہ قادیانی کیا کہتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ اجی بھائی صاحب ان پڑھ اور ناواقف لوگ خود علما سے پوچھا کرتے ہیں۔ تم پوچھو ہم بتائینگے۔ تم سوال کرو۔ ہم جواب دینگے۔ پھر اسطرح چھیڑ چھاڑ کرنے کی طرح ڈالی۔ مگر نبی حسن خاں صاحب کے کہنے پر پھر رک گیا۔ اور خاموش ہو گیا۔

مولویوں نے پھر جلسہ میں شور شر ڈالنا شروع کر دیا۔ الگ الگ ٹولیاں بنالیں۔ آخر اخگر صاحب امرتسری سے بھی نہ رہا گیا۔ اور کہا کہ اس وقت کوئی اختلافی مسئلہ نہیں سنایا جا رہا۔ عین مطلب کی بات اور حقیقی اسلامی تعلیم کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت مخالفت کرنے اور جوش دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ لوگ اسلام کے خلاف اپنے عقائد سنانے لگے۔ تو ہم لوگ تم سے زیادہ جوش رکھنے والے ہیں۔ ہم خود بولیں گے۔ اور اس کا رد کریں گے۔ مگر اب چونکہ کوئی بات لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے خلاف نہیں کہی جا رہی۔ لہذا اس وقت بولنا اور جھگڑا کرنا ٹھیک نہیں۔ مگر مولویوں پر اس کا بھی اثر نہ ہوا۔ اور نہ وہ اپنے حرکات سے باز آئے۔

ان لوگوں نے نماز کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ کہ ان کو کہو نماز ہمارے پیچھے پڑھیں۔ جلسہ میں وقت مانگنے لگ گئے۔ اذان ہوئی۔ جلسہ نماز کے لئے برخواست ہو گیا۔ دس پندرہ منٹ بڑی ہی گڑبڑ رہی۔ مولوی شرارت پھیلانے میں لگے ہوئے تھے۔ اور احمدی اس آگ کو بجھانے تھے۔

عصر کی نماز ہم نے باجماعت ادا کی۔ ان لوگوں نے بھی دو حصوں میں ہو کر نماز پڑھی۔ رضائی الگ تھے دیوبندی الگ۔ ملکانے یہ دیکھکر ان کو برا بھلا کہنے لگے نماز کے بعد مولوی صاحبان چلے گئے۔ اور ہم نے پھر جلسہ شروع کیا۔ جسے اسلم صاحب نے بھجن سے جاری کیا۔ گو ہٹیہ لگا۔ تھا ان دونوں دیہات کے لوگ لوگ گڑبڑ میں بھی جمے رہے تھے۔ جلسہ شروع ہوتے ہی اور لوگ بھی شریک ہو گئے۔

نظموں کے بعد جہاشہ محمد عمر صاحب کی تقریر ہوئی۔ اس کے بعد اسلم صاحب نے پھر کچھ سنایا۔ خاتمہ پر خواجہ جلال الدین صاحب نے لوگوں کو غیر احمدی علماء کی حرکات کے متعلق سنایا۔ کہ یہ لوگ ہمیں بار بار مباحثات کے واسطے پیغام بھیجتے ہیں۔ خود پیچھے رہتے ہیں۔ اور ناواقف لوگوں کو ابھار کر آگے کر دیتے ہیں۔ ان دنوں ہم میدان جنگ میں ہیں۔ جنگ آریوں اور ہندوؤں سے ہے جو اپنی پوری متفقہ طاقت سے اسلام پر حملہ آور ہیں۔ اور اسلام اور مسلمانوں کو جڑھ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں ہیں۔ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ موقع اور محل دیکھتے۔ معاملہ کی نزاکت کو سوچتے۔ اور باہمی جھگڑوں اور مباحثات کی طرح نہ ڈالتے۔ ہم لوگ ایک انتظام کے ماتحت ہیں۔ اپنے امام کے حکم کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ ہماری ہی جماعت جماعت کہلانے کے مستحق ہے۔ باقی سب لوگ متفرق ہیں ہمیں ہمارے امام کا حکم ہے کہ اس وقت ہم باہمی جھگڑوں سے کنارہ کش رہیں۔ اور حتی الوسع ملکر کام کرنے کی کوشش کریں۔ ہم اس حکم کی پوری طرح سے تعمیل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ ہمیں چھیڑتے ہیں اور ہمارے خلاف بدظنی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کے مباحثات سے کمزوری یا کم علمی یا خوف کی وجہ سے نہیں بچتے۔ بلکہ محض اپنے امام کے حکم کی وجہ سے رکتے اور پہلو تہی کرتے ہیں۔ حکم کی تعمیل میں ہم لوگ تو یہاں تک کرتے ہیں۔ کہ اگر یہ لوگ ہمیں چیلنج بھی دیں اور لوگ ہمیں شکست خوردہ بھی کہیں تب بھی ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔ ہاں پنجاب کا میدان ہمارے ان کے مباحثات کے لئے کھلا ہے جہاں آج تک ہزاروں مباحثات ہو چکے ہیں حضرت مرزا صاحب کیلئے کفر۔ یہ ان مباحثات کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ اب کئی لاکھ کی جماعت قائم ہے مباحثات ہمیں مضر نہیں بلکہ مفید پڑتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اس سے لوگوں کو بہت انشراح ہوا۔ آخر جلسہ برخاست ہوا۔

خاکسار عبدالرحمن قادیانی

بمقام بھونگاؤں اسلام کے مقابلہ میں آریوں کی شکست فاش

یکم اور ۲ جولائی ۱۹۲۳ء کو اہل اسلام اور ہندوؤں میں بمقام بھونگاؤں ضلع مین پوری نہایت زبردست تحریری مباحثہ ہوا۔ اہل اسلام کی طرف سے خواجہ جلال الدین صاحب شمس مولوی فاضل قادیان اور ہندوؤں کی طرف سے [illegible] دیوی مناظر تھے۔ مضمون زیر بحث کامل الہامی کتاب وید ہیں یا قرآن مجید تھا۔ آریوں کی طرف سے صدر جلسہ جناب شوکمار اور اہل اسلام کی طرف سے راجہ ہادی یار خاں صاحب رئیس کوسمہ تھے۔ حاضرین کی تعداد بہت کافی تھی۔ پنڈت رام چندر کی حالت بے بسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے پہلا پرچہ اردو میں لکھکر اپنی بے کسی چھپانے کے لئے باقی تمام پرچے ہندی میں لکھے۔ جس وقت پرچے پڑھے جا رہے تھے اسوقت ہندوؤں کی گھبراہٹ قابل دید تھی۔ اور اہل اسلام اپنی کامیابی پر خوشیاں منا رہے تھے۔ پرچے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ انشاء اللہ چھپکر شائع ہو جائیں گے اس مباحثہ نے اس علاقہ میں آریوں کے دھرم کی حقیقت کا پردہ کھول دیا ہے۔

خاکسار سید ارشد علی لکھنوی از بمقام بھونگاؤں ضلع مین پوری

مسلمانوں کی ایک نئی تبلیغی انجمن کا قیام

ہم پندرہ دن تک کسی الزام کا جواب نہ دینگے

آگرہ میں ۳۰ جون کو ایک جمعیۃ تبلیغ الاسلام قائم ہوئی ہے جس کی غرض یہ ہے کہ آپس کے تصادم کو روکا جائے۔ اور بجائے معاملات کو لغب باتوں میں لانے کے باہمی غلط فہمیوں کا تصفیہ کیا جائے۔ گو ہمارے خلاف بہت سے غلط الزام لگائے گئے ہیں۔ جن کا جواب ہم دینا چاہتے تھے۔ لیکن

مختصر خبریں

— حال میں پنڈت مالوی صاحب نے لاہور میں جو تقریر کی۔ اس کے متعلق کیسری لکھتا ہے۔ کہ جلسہ میں اس قدر شور و شر برپا ہوا۔ کہ مجبوراً پریزیڈنٹ صاحب کو جلسہ منتشر کرنا پڑا۔

— پنڈت مالوی صاحب نے لالہ لاجپت رائے سے جیل میں ملنے کے لئے گورنمنٹ پنجاب سے درخواست کی تھی۔ جو بعض شرائط کے ساتھ منظور کی گئی۔ مگر مالوی صاحب نے ان شرائط کو سخت سمجھ کر ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔

— مسٹر محمد علی صاحب اگست کے دوسرے ہفتہ اور ڈاکٹر کچلو صاحب ۱۱ اگست کو رہا ہوں گے۔

— ریوٹر کا ایک تار مظہر ہے۔ کہ کرنل سر چارلس ییٹ ممبر پارلیمنٹ نے یہ ریزولیوشن پیش کرنے کی اجازت چاہی ہے۔ کہ پنجاب کے جن اضلاع میں سکھوں کی وجہ سے بدامنی ہے۔ وہ سکھ ریاستوں کو دے دئے جائیں۔ وزیر ہند نے اس تجویز کو نامنظور کر دیا ہے

— سردار جھنڈا سنگھ جتھے دار گجرات کو دربار صاحب میں کار لگاتے ہوئے غشی آگئی۔ اور چند منٹ میں جان نکل گئی۔

— سر سری نواس آئنگر فوت ہو گئے۔

— سردار بہادر اندر سنگھ صاحب پریزیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ریاست فرید کوٹ سردار بچتر سنگھ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ میجر رگھبیر سنگھ کمانڈر اعظم کرنل بشن سنگھ اور دیگر عمائد ریاست نے یکم جولائی کو دربار صاحب کے تالاب سے کار لگائی۔

— جعلی نوٹ بنانے والوں کے مقدمات کے متعلق گورنمنٹ ہند ایک اسپیشل مجسٹریٹ کے تقرر پر غور کر رہی ہے۔ اس کا صدر مقام لاہور ہوگا۔ اور تمام ہندوستان کے مقدمات کی سماعت کریگا۔

— الہ آباد اور اودھ کے جوڈیشل کمشنر کی عدالت نے بنارس ہندو یونیورسٹی کی قانونی ڈگری کو تسلیم کر لیا ہے۔

— دیوان عام میں ایک ممبر نے کہا۔ کہ اگر لارڈ لارنس کا بت لاہور سے اکھاڑ گیا تو ملک میں نفرت پیدا ہو جائیگی۔ اس کے جواب میں نائب وزیر ہند نے کہا۔ حکام ابھی اس معاملہ پر غور کر رہے ہیں۔

— پرتاپ بحوالہ ڈیلی گزٹ لکھتا ہے۔ کراچی میں کئی یورپین نوجوان عورتیں خاوند ڈھونڈنے کیلئے آئی ہیں۔

— مسٹر ڈی سی فٹ جانسن جو ترک شراب نوشی کیلئے کوشاں رہے ہیں۔ مصر ہوتے ہوئے ہندوستان آنے والے ہیں۔

(باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر الفضل کیلئے شائع ہوا)